

تقدیر پر راضی رہنا چاہیے

- تکلیف پر، راضی رہنا چاہئے
- بیماری پر، راضی رہنا چاہئے
- روزی پر، راضی رہنا چاہئے
- فیصلے پر، راضی رہنا چاہئے
- موت پر، راضی رہنا چاہئے
- نعمت پر، راضی رہنا چاہئے
- پریشانی پر، راضی رہنا چاہئے
- آمدنی پر، راضی رہنا چاہئے
- ملازمت پر، راضی رہنا چاہئے

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم

فہرست مضامین

صفحہ

عنوان

- ۸ ♦ دنیا کی حرص مت کرو
- ۹ ♦ دین کی حرص پسندیدہ ہے
- ۱۰ ♦ حضرات صحابہ کرام اور نیک کاموں کی حرص
- ۱۱ ♦ یہ حرص پیدا کریں
- ۱۲ ♦ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نوڑ لگانا
- ۱۳ ♦ حضرت تھالوی کا اس شکت پر عمل
- ۱۴ ♦ بہت بھی اللہ سے مانگنی چاہئے
- ۱۵ ♦ یا عمل کی توفیق یا اجر و ثواب
- ♦ ایک لوہار کا واقعہ
- ۱۷ ♦ حضرات صحابہ کی فکر اور سوچ کا انداز
- ۱۹ ♦ نیکی کی حرص عظیم نعمت ہے
- ♦ لفظ "اگر" شیطان عمل کا دروازہ کھولتا ہے
- ۲۰ ♦ دنیا راحت اور تکلیف سے مرتب ہے
- ۲۱ ♦ اللہ کے محبوب پر تکلیف زیادہ آتی ہیں
- ۲۲ ♦ حیرت کیزا مصلحت کیا جائے؟

صفحہ	عنوان
۲۳	❖ ایک بزرگ کا بھوک کی وجہ سے رونا
۲۴	❖ مسلمان اور کافر کا امتیاز
۲۵	❖ اللہ کے فیصلے پر راضی رہو
۲۶	❖ رضا بالقضاء میں تسلی کا سامان ہے
۲۷	❖ تقدیر ”عقیدہ“ سے نہیں روکتی
۲۸	❖ عقیدہ کرنے کے بعد فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو
۲۸	❖ حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک واقعہ
۳۰	❖ تقدیر کا صحیح مفہوم
۳۱	❖ غم اور صدمہ کرنا ”رضا بالقضاء“ کے معنی نہیں
۳۲	❖ ایک بہترین مثال
۳۳	❖ کام کا یگانا بھی اللہ کی طرف سے ہے
۳۴	❖ تقدیر کے عقیدے پر ایمان لائے ہو
۳۵	❖ یہ پریشانی کیوں ہے؟
۳۶	❖ آسپوزر سے لکھنے کے قتل جملہ
۳۷	❖ لوح دل پر یہ جملہ نقش کر لیں
۳۸	❖ حضرت زوہر بن مہزیارؓ کی کارِ راحت و سکون کا راز
۳۹	❖ نکالیف بھی حقیقت میں رحمت ہیں

صفحہ

عنوان

- ۳۰ ❖ ایک مثل
- ۳۱ ❖ تکلیف مت مانگو لیکن آئے تو مبر کرو
- ۳۲ ❖ اللہ والوں کا حال
- ۳۲ ❖ کوئی شخص تکلیف سے خلا نہیں
- ۳۳ ❖ چھوٹی تکلیف بڑی تکلیف کو تھل دیتا ہے
- ۳۴ ❖ اللہ سے مرد مانگو
- ۳۵ ❖ اللہ کے فیصلہ پر رضامندی خیر کی دلیل ہے
- ۳۵ ❖ برکت کا مطلب اور مفہوم
- ۳۹ ❖ ایک ثواب کا واقعہ
- ۵۰ ❖ قسمت پر راضی رہو
- ۵۱ ❖ میرے پانے میں لیکن حاصل بیگانہ ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقدیر پر راضی رہنا چاہئے

الحمد لله نعمته ونستعينه ونستغفره ونؤمن به
 وتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن
 سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن
 يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله
 وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا وملكنا
 ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالى
 عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليما
 كثيرا كثيرا

اما بعد

عن ابي هريره رضى الله عنه قال: قال رسول
 الله صلى الله عليه وسلم: احرص على
 ما ينفعك واستعن بالله ولا تعجز، وان اصابك
 شئ فقل: لا تقل لو انى فعلت لكان كذا وكذا

ولكن قل: قدر الله وما شاء فعل، فان "لو" تفتح
 عمل الشيطان ﴿ مسلم شريف كتاب القدر باب
 في الامر بالقوة وترك العجز ﴾

دنیا کی حرص مت کرو

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کاموں کی حرص کرو جو تم کو نفع پہنچانے والے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ اعمال اور وہ افعال جو آخرت میں نفع کا سبب بن سکتے ہیں ان کے اندر حرص کرو۔ دیکھئے! ویسے تو حرص بڑی چیز ہے اور اس سے منع فرمایا گیا ہے کہ مال کی حرص، دنیا کی حرص، شہرت کی حرص، نام و نمود کی حرص، دولت کی حرص مت کرو اور انسان کے لئے یہ بہت بڑا عیب ہے کہ وہ ان چیزوں کی حرص کرے بلکہ ان تمام چیزوں میں قناعت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فرمایا گیا ہے کہ ان میں سے جو کچھ تمہیں جائز طریقے سے کوشش کرنے کے نتیجے میں مل رہا ہے اس پر قناعت کرو اور یہ سمجھو کہ میرے لئے یہی بہتہ تھا۔ مزید کا حرص کرنا کہ مجھے اور زیادہ مل جائے، یہ درست نہیں اور اس حرص سے بچو، کیونکہ دنیا میں کوئی بھی شخص اپنی ساری خواہشات کسی پوری نہیں کر سکتا۔ "کار دنیا کسے تمام نہ کرو"۔ بڑے سے بڑا بادشاہ، بڑے سے بڑا سرمایہ دار ایسا نہیں ملے گا جو یہ کہہ دے کہ میری ساری

خواہشات پوری ہو گئی ہیں۔ بلکہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کو ایک واہی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ چاہے گا کہ دو مل جائیں۔ اور جب دو مل جائیں گی تو پھر خواہش کرے گا کہ تین ہو جائیں۔ اور ابن آدم کا پیٹ سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ جب قبر میں جائے گا تو قبر کی مٹی اس کا پیٹ بھرے گی، دنیا کے اندر کوئی چیز اس کا پیٹ نہیں بھرے گی۔ البتہ ایک چیز ہے جو اس کا پیٹ بھر سکتی ہے۔ وہ ہے ”قناعت“ یعنی جو کچھ اس کو اللہ تعالیٰ نے جائز اور حلال طریقے سے دے دیا ہے، اس پر قناعت کر لے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اس کے سوا پیٹ بھرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔

دین کی حرص پسندیدہ ہے

لہذا دنیا کی چیزوں میں حرص کرنا برا ہے اور اس سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن دین کے کاموں میں، اچھے اعمال میں، عبادات میں حرص کرنا اچھی چیز ہے۔ مثلاً کوئی شخص نیک کام کر رہا ہے اس کو دیکھ کر یہ حرص کرنا کہ میں بھی یہ نیک کام کروں۔ یا فلاں شخص کو دین کی نعمت حاصل ہے مجھے بھی یہ نعمت حاصل ہو جائے۔ ایسی حرص مطلوب ہے اور محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اس لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے کاموں کی حرص کرنا جو آخرت میں نفع دینے

دائے ہیں۔ اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاستبقوا الصیرات
یعنی نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔
اور آپس میں مسابقت کرو۔

حضرات صحابہؓ اور نیک کاموں کی حرص

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نیکوں میں بڑے
حرصی تھے اور ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ہمارے نامہ
اعمال میں نیکی کا اضافہ ہو جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے
ساتھ بڑے حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابو ہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی نماز جنازہ میں
شریک ہو تو اس کو ایک قیراط اجر ملتا ہے۔ اور اگر
اس کے دفن میں بھی شریک رہے تو اس کو دو
قیراط ملتے ہیں۔“

”قیراط“ اس زمانے میں سونے کا ایک مخصوص وزن ہوتا تھا۔ آپ
نے سمجھانے کے لئے قیراط کا لفظ بیان فرمایا، پھر خود ہی فرمایا کہ آخرت
کا وہ قیراط اُحد پہاڑ سے بھی بڑا ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ قیراط سے دنیا والا

قیراط مت سمجھ لینا بلکہ آخرت والا قیراط مراد ہے جو اپنی عظمت شان کے لحاظ سے اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ اور یہ بھی اس اجر کا پورا بیان نہیں ہے۔ اس لئے کہ پورا ایمان تو انسان کی قدرت میں بھی نہیں ہے کیونکہ انسان کی لغت اس کے بیان کے لئے ناکافی ہے۔ اس واسطے یہ الفاظ استعمال فرمائے۔ تاکہ ہماری سمجھ میں آجائے۔ بہر حال، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث سنی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا واقعہ آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود یہ حدیث سنی ہے۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس! ہم نے اب تک بہت سے قیراط صدقہ کر دیئے۔ اگر پہلے سے یہ حدیث سنی ہوتی تو ایسے مواقع کبھی صدقہ نہ کرتے۔ تو تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا کہ وہ اس بات کے حریص تھے کہ کسی طرح کوئی نیکو ہمارے نامہ اعمال میں بڑھ جائے۔

یہ حرص پیدا کریں

ہم اور آپ دو مخلوقوں میں بنتے رہتے ہیں کہ فلاں عمل کا یہ ثواب ہے، فلاں عمل کا یہ ثواب ہے۔ یہ درحقیقت اس لئے بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ہمارے دلوں میں ان اعمال کو انجام دینے کی حرص پیدا ہو۔ فضیلت

والے اعمال، نواقص، مستحبات اگرچہ فرض و واجب نہیں۔ لیکن ایک مسلمان کے دل میں ان کی حرص ہونی چاہئے کہ وہ ہمیں حاصل ہو جائیں۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ دین کی حرص عطا فرماتے ہیں تو ان کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے ہیں کہ کسی طرح کوئی نیکی ہمارے نامہ اعمال میں بڑھ جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوڑ لگانا

حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک وجعت میں تشریف لے جا رہے تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ پیدل سفر تھا۔ راستے میں ایک جنگل اور میدان پڑا تھا، اور بے پروگی کا احتمال نہیں تھا اس لئے کہ وہاں کوئی دیکھنے والا نہیں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ اے عائشہ! کیا میرے ساتھ دوڑ لگاؤ گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہاں! دوڑ لگاؤں گی۔ اس دوڑ لگانے سے ایک طرف تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دلجوئی مقصود تھی اور دوسری طرف امت کو یہ تعلیم دینی تھی کہ بہت زیادہ بیزرگ اور نیک ہو کر ایک کونے میں بیٹھ جانا بھی اچھی بات نہیں۔ بلکہ دنیا میں آدمیوں کی طرح اور انسانوں کی طرح رہنا چاہئے۔ اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی

ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ دو مرتبہ دوڑ لگائی۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آگے نکل گئے اور دوسری مرتبہ جب دوڑ لگائی تو چونکہ اس وقت آپ کا جسم نسبتاً ہماری ہو گیا تھا اس لئے میں آگے نکل گئی اور آپ پیچھے رہ گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: "ہلاک ہلاک" یعنی دونوں برابر ہو گئے۔ ایک مرتبہ تم جیت گئیں اور ایک مرتبہ میں جیت گیا۔ اب دیکھئے کہ بزرگانِ دین اس سنت پر کس طرح عمل کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں۔

حضرت تھانویؒ کا اس سنت پر عمل

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ قدس اللہ سرہ تھانہ بھون سے کچھ فاصلہ پر ایک گاؤں میں دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے، اور اہلیہ محترمہ ساتھ تھیں۔ جنگل کا پیدل سفر تھا، کوئی اور شخص بھی ساتھ نہیں تھا۔ جب جنگل کے درمیان پہنچے تو خیال آیا کہ الحمد للہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق ہو گئی ہے لیکن اہلیہ کے ساتھ دوڑ لگانے کی سنت پر ابھی تک عمل کا موقع نہیں ملا۔ آج موقع ہے کہ اس سنت پر بھی عمل ہو جائے۔ چنانچہ اس وقت آپ نے دوڑ لگا کر اس سنت پر بھی عمل کر لیا۔ اب ظاہر ہے کہ دوڑ لگانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے لئے دوڑ لگائی۔ یہ ہے

اہل سنت کی حرص۔ نیک کاموں کی حرص۔ اجر و ثواب حاصل کرنے کی حرص۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے اندر یہ حرص پیدا فرمادے۔ آمین۔

ہمت بھی اللہ سے مانگنی چاہئے

اب بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں ایک نیک کام کرنے کا شوق پیدا ہوا اور دل چاہا کہ فلاں شخص سے عبادت کرنا ہے، میں بھی یہ عبادت انجام دوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ یہ عبادت اور یہ نیک کام ہمارے بس میں نہیں ہے، ہم نہیں کر پائیں گے، یہ تو بڑے لوگوں کا کام ہے۔ تو جب اس قسم کا خیال دل میں پیدا ہو تو اس وقت کیا کریں؟ اس کے لئے حدیث کے اگلے جملے میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَاسْتَعِنَ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجِزْ﴾

یعنی ایسے وقت میں ہاپوس اور عاجز ہو کر نہ بیٹھ جائے کہ مجھ سے یہ عبادت ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔ اور کہے کہ یا اللہ! یہ کام میرے بس میں تو نہیں ہے۔ لیکن آپ کی قدرت میں ہے۔ آپ ہی مجھے اس نیک کام کی توفیق عطا فرمادیں اور اس کے کرنے کی ہمت عطا فرمادیں۔

مثلاً نیک لوگوں کے بارے میں سنا کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھا کرتے ہیں اور رات کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں۔ تو اب دل میں شوق پیدا ہوا کہ مجھے بھی رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنی چاہئے۔ لیکن یہ خیال بھی آیا کہ رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنا میرے بس میں نہیں۔ چلو پھوٹو اور مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے کہے کہ یا اللہ! میری آنکھ نہیں کھلتی، میری نیند پوری نہیں ہوتی۔ یا اللہ! تہجد پڑھنے کی توفیق عطا فرما دیجئے اور اس کی فضیلت عطا فرما دیجئے۔

یا عمل کی توفیق یا اجر و ثواب

کیونکہ جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور توفیق مانگے گا تو پھر وہ حال سے خالی نہیں۔ یا تو واقعہ اللہ تعالیٰ اس عمل کی توفیق عطا فرمائیں گے۔ فوراً اگر اس عمل کی توفیق حاصل نہ ہوئی تو یقیناً اس نیک عمل کا ثواب انشاء اللہ ضرور حاصل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص چھ دنوں سے اللہ تعالیٰ سے شہادت طلب کرے اور یہ کہے کہ یا اللہ! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما، تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں۔ اگرچہ بستر علی اس کا منتقل ہو جائے۔

ایک لوہار کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا جب انتقال ہو گیا تو کسی

نے خواب میں ان کو دیکھا تو پوچھا کہ حضرت! کیسی گزری؟ جواب میں
 انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے کرم کا معاملہ فرمایا اور مغفرت
 فرمادی اور استحقاق کے بغیر بڑا درجہ عطا فرمایا۔ لیکن جو درجہ میرے
 سامنے والے مکان میں رہنے والے لوہار کو نصیب ہوا وہ مجھے نہیں مل
 سکا۔ جب خواب دیکھنے والا بیدار ہوا تو اس کو یہ جستجو ہوئی کہ یہ معلوم
 کروں کہ وہ کون لوہار تھا اور کیا عمل کرتا تھا؟ جس کی وجہ سے حضرت
 عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ چنانچہ وہ
 حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں گیا اور پوچھا کہ
 یہاں کوئی لوہار رہتا تھا جس کا انتقال ہو گیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ہاں،
 اس سامنے والے مکان میں ایک لوہار رہتا تھا۔ اور چند روز پہلے اس کا
 انتقال ہوا ہے۔ چنانچہ یہ لوہار کے گھر گیا اور اس کی بیوی سے اپنا وہ
 بیان کیا اور پوچھا کہ تمہارا شوہر ایسا کون سا عمل کرتا تھا جس کی وجہ سے
 وہ حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے آگے بڑھ گیا؟ لوہار کی
 بیوی نے بتایا کہ میرا شوہر ایسی کوئی خاص عبادت تو نہیں کرتا تھا۔ سارا
 دن لوہا کو قمار رہتا تھا۔ البتہ میں نے اس کے اندر دو باتیں دیکھیں۔ ایک
 یہ کہ جب لوہا کو مٹے کے دو بلن اذان کی آواز ”اللہ اکبر“ کلن میں پڑتی
 تو فوراً اپنا کام بند کر دیتا تھا۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اپنا ہتھوڑا کو مٹے کے لئے
 اوپر اٹھالیا ہوتا اور اتنے میں اذان کی آواز آجاتی تو وہ یہ بھی گوارا نہیں
 کرتا تھا کہ اس ہتھوڑے سے چوٹ لگادوں۔ بلکہ ہتھوڑے کو پیچھے کی

دولت مند اور مال دار ہیں۔ ان پر ہمیں رشک آتا ہے۔ اس لئے کہ جو جسمانی عبادت ہم کرتے ہیں۔ وہ بھی کرتے ہیں۔ لیکن جسمانی عبادت کے علاوہ وہ مالی عبادت بھی کرتے ہیں، مثلاً صدقہ خیرات کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور ان کے درجات بھی بلند ہوتے ہیں۔ لہذا آخرت کے درجات میں وہ ہم سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور ہم جتنی بھی کوشش کر لیں لیکن غریب ہونے کی وجہ سے ان سے آگے نہیں بڑھ سکتے، اس لئے کہ ہم صدقہ خیرات نہیں کر سکتے۔۔۔ دیکھئے، ہماری اور ان کی سوچ میں کتنا فرق ہے، ہم جب اپنے سے بڑے مالدار کے بارے میں سوچتے ہیں تو اس کے صدقہ خیرات کرنے پر ہمیں رشک نہیں آتا، بلکہ اس بات پر رشک آتا ہے کہ اس کے پاس دولت زیادہ ہے۔ اس لئے یہ بہت مزے سے زندگی گزار رہا ہے، کاش کہ ہمیں بھی دولت مل جائے تو ہم بھی عیش و آرام سے زندگی گزاریں۔ یہ ہے سوچ کا فرق۔

بہر حال، ان صحابہ کرام کے سوال کے جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاتا ہوں کہ اگر تم اس عمل کو پابندی سے کر لو گے تو صدقہ خیرات کرنے والوں سے تمہارا ثواب بڑھ جائے گا کوئی تم سے آگے نہیں بڑھ سکے گا وہ عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ ”سبحان اللہ“، ۳۳ مرتبہ ”الحمد للہ“، ۳۳ مرتبہ ”اللہ اکبر“ پڑھ لیا کرو۔

نیکی کی حرص عظیم نعمت ہے

ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی ذکر میل داروں نے بھی شروع کر دیا تو پھر ان صاحب کرام کا سوال برقرار رہے گا۔ کیونکہ مالدار لوگ پھر ان سے آگے بڑھ جائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے تھے کہ جب تمہیں یہ حرص اور حسرت ہو رہی ہے کہ ہم بھی مالدار ہوتے تو ہم بھی اسی طرح صدقہ خیرات کرتے جس طرح یہ مال دار لوگ کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس حرص کی برکت سے تم کو صدقہ خیرات کا اجر و ثواب بھی عطا فرمائیں گے۔

بہر حال، کسی نیک کام کے کرنے کی حرص اور ارادہ اور اس کے نہ کر سکنے کی حسرت بھی بڑی نعمت ہے۔ اس لئے جب کسی شخص کے بارے میں سنو کہ فلاں شخص یہ نیک عمل کرتا ہے تو تم یہ دعا کر لو کہ اے اللہ! یہ نیک کام میرے بس سے باہر ہے۔ آپ ہی اس کام کے کرنے میں میری مدد فرمائیے، اور مجھے اس کے کرنے کی توفیق عطا فرمائیے، تو پھر اللہ تعالیٰ یا تو اس نیک کام کے کرنے کی توفیق عطا فرمائیں گے۔ یا اس نیک کام کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔ یہ نسخہ کیا ہے۔

لفظ ”اگر“ شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے

آگے فرمایا کہ:

﴿وان اصابتك شهي فلاتقل لو اني فعلت
لكان كذا وكذا ولكن قل قدر الله وماشاء
فعل فان "لو" تفتح عمل الشيطان﴾

یعنی اگر دنیاوی زندگی میں ہمیں کوئی مصیبت اور تکلیف پہنچے تو یہ
مت کہو کہ اگر یوں کر لیتا تو ایسا نہ ہوتا۔ اور اگر یوں کر لیتا تو ایسا ہو جاتا،
یہ اگر عمر مت کہو، بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت یہی تھی۔
جو اللہ نے چاہا وہ ہو گیا، اس لئے کہ یہ لفظ "اگر" شیطان کے عمل کا
دروازہ کھول دیتا ہے۔ — مثلاً کسی کے مزاج کا انتقال ہو جائے تو کہتا
ہے کہ اگر فلاں ڈاکٹر سے علاج کرایا تو یہ بچ جاتا، یا مثلاً کسی کے ہاں
چوری ہو گئی، یا ڈاکہ پڑ گیا تو یہ کہتا ہے کہ اگر فلاں طریقے سے حفاظت
کر لیتا تو چوری نہ ہوتی وغیرہ۔ ایسی باتیں مت کہو، بلکہ یوں کہو کہ اللہ
تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی ہونا مقدر تھا، اس لئے ہو گیا، میں اگر ہزار تدبیر
کر لیتا تب بھی ایسا ہی ہوتا۔

دنیا راحت اور تکلیف سے مرگ ہے

اس حدیث میں کیا عجیب و غریب تعلیم دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے
دلوں میں یہ بات اتار دے۔ آمین۔ یقین رکھیے کہ اس دنیا میں سکون،
عافیت، آرام اور اطمینان حاصل کرنے کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ
نہیں کہ انسان تقدیر پر یقین اور ایمان لے آئے۔ اس لئے کہ کوئی

انسان ایسا نہیں ہے جس کو اس دنیا میں کبھی کوئی غم اور پریشانی نہ آئی ہو۔ یا کبھی کوئی مصیبت اس کے اوپر نہ آئی ہو۔ یہ عالم دنیا دو لوں چیزوں سے مرکب ہے، جس میں خوشی بھی ہے، غم بھی ہے، راحت بھی ہے اور تکلیف بھی ہے۔ یہاں کوئی خوشی بھی خالص نہیں، کوئی غم خالص نہیں۔ لہذا غم، تکلیف اور پریشانی تو اس دنیا میں ضرور آئے گی، اگر ساری دنیا کی دولت خرچ کر کے یہ چاہو کہ کوئی تکلیف نہ آئے تو یہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ کے محبوب پر تکلیف زیادہ آتی ہیں

ہماری اور تمہاری کیا حقیقت ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کی پیاری اور محبوب مخلوق ہے۔ ان کے اوپر بھی تکلیف اور پریشانیاں آتی ہیں۔ اور عام لوگوں سے زیادہ آتی ہیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّهُ أَشَدُّ النَّاسِ بِلَاءَ الْأَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ﴾

(کنز العمال، حدیث نمبر ۶۷۸۳)

یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ تکلیف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں۔ اور پھر جو شخص انبیاء علیہم السلام سے جتنا قریب ہو گا اس کو اتنی ہی زیادہ تکلیف اور پریشانیاں آئیں گی، وہ عالم جہاں کوئی پریشانی اور تکلیف نہیں آئے گی، وہ عالم جنت ہے، لہذا اس دنیا میں پریشانیاں تو آئیں

گی، لیکن اگر ان تکالیف پر یہ سوچنا شروع کر دیا کہ ہائے یہ کیوں ہوا؟
 اگر ایسا کر لیتے تو یہ نہ ہوتا۔ فلان اوجہ اور سبب کے ایسا ہو گیا۔ ایسا سوچنے
 سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس سے حسرت بڑھتی ہے، تکلیف اور صدمہ
 بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر شکوہ پیدا ہوتا ہے کہ معلو اللہ — یہ
 ساری مصیبتیں میرے مقدر میں رہ گئی تھیں، وغیرہ۔ اور وہ مصیبت
 دہلی جہنم بن جاتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی تکلیف ہوئی
 اور اس شکوہ کی وجہ سے آخرت میں اس پر عذاب کا مستحق ہو جاتا ہے۔
 اور بعض اوقات ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

حقیر کبیرا مصلحت کیا جانے

اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ جب
 تمہیں کوئی پریشانی یا تکلیف آئے تو یہ سمجھو کہ جو کچھ پیش آیا ہے۔ یہ
 اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے پیش آیا ہے۔ میں اس کی حکمت کیا
 جانوں، اللہ تعالیٰ ہی اسکی حکمت اور مصلحت جانتے ہیں۔ ایک حقیر کبیرا
 اس کی حکمت اور مصلحت کو کیا جانے۔۔۔ البتہ اس تکلیف پر رونا
 آئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ
 تکلیف پر رونا نہیں چاہئے۔ یہ بات لفظ ہے، اس لئے کہ تکلیف پر رونا
 بڑا نہیں ہے۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت پر شکوہ نہ ہو۔

ایک بزرگ کا بھوک کی وجہ سے رونا

ایک بزرگ کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب ان سے ملنے گئے، دیکھا کہ وہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ ان صاحب نے پوچھا کہ حضرت کیا تکلیف ہے؟ جس کی وجہ سے آپ رو رہے ہیں؟ ان بزرگ نے جواب دیا کہ بھوک لگ رہی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کوئی بچے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ بھوک کی وجہ سے تو بچے روتے ہیں۔ آپ تو بڑے ہیں۔ پھر بھی رو رہے ہیں؟ ان بزرگ نے فرمایا: تمہیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ کو میرا رونا دیکھنا ہی مقصود ہو۔ اس وجہ سے وہ مجھے بھوکا رکھ رہے ہیں۔ — تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو رونا بھی پسند آتا ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ شکوہ و شکایت نہ ہو۔ — اسی کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ”تقویض“ کہا جاتا ہے۔ یعنی معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا اور یہ کہنا کہ اے اللہ۔ مجھے ظاہری طور پر تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن فیصلہ آپ کا برحق ہے۔ — اگر انسان کو اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کر سکتا اور تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں تو اس یقین کے بعد اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے گا اور بیماری اور پریشانی کے وقت جو ناقابل برداشت صدمہ اور تکلیف ہوتی ہے وہ نہیں ہوگی۔

مسلمان اور کافر کا امتیاز

ایک کافر کا عزیز بیمار ہوا۔ اس نے ڈاکٹر سے علاج کرایا، ڈاکٹر کے علاج کے دوران اس کا انتقال ہو گیا، تو اب اس کافر کے پاس اطمینان حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے؛ کیونکہ وہ تو یہی سمجھے گا کہ ڈاکٹر نے دوا صحیح تجویز نہیں کی، صحیح دیکھ بھلی نہیں کی، اس لئے یہ مر گیا۔ اگر علاج صحیح ہو جاتا تو یہ نہ مرنے لیتا۔ لیکن ایک مسلمان کا عزیز بیمار ہو گیا، ڈاکٹر نے علاج کیا، لیکن اس کا انتقال ہو گیا تو اب اس مسلمان کے پاس اطمینان اور سکون حاصل کرنے کا ذریعہ موجود ہے، وہ یہ کہ اگرچہ اس کی موت کا ظاہری سبب ڈاکٹر کی غفلت ہے، لیکن جو کچھ ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا، ان کے ارادے سے موت واقع ہوئی، اگر ڈاکٹر صحیح دوا دیتا، تب بھی وہ دوا الٹی پڑ جاتی۔ پھر اگر میں اس ڈاکٹر کے علاوہ دوسرے ڈاکٹر کے پاس جاتا، تب بھی موت آتی۔ اس لئے کہ ہونا وہی تھا جو تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تھا۔ اس کی موت کا وقت آچکا تھا۔ اس کے دن پورے ہو گئے تھے، اس کو تو جانا تھا، اس لئے چلا گیا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر برحق ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں آگ کا کوئی انگارہ اپنی زبان پر رکھ لوں اور اس کو چاٹوں، یہ عمل مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی ایسے واقع

کے بارے میں جو ہو چکا، یہ کہوں کہ کاش ایسا واقعہ نہ ہوتا، اور کسی ایسے واقعے کے بارے میں جو نہیں ہوا، یہ کہوں کہ کاش اودہ واقعہ ہو جاتا۔

اللہ کے فیصلے پر راضی رہو

مقصود یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق کوئی واقعہ پیش آجائے تو اب اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ یا یہ کہنا کہ ایسا ہو جاتا، یہ کہنا اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے خلاف ہے۔ ایک مومن سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اور اس کے فیصلے پر راضی رہے، اور اس تقدیر کے فیصلے پر اس کے دل میں شکایت پیدا نہ ہو، اور نہ دل میں اس کی بُرائی ہو۔ بلکہ دل و جان سے اس پر راضی رہے۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

﴿اذا قضی اللہ قضاءً أحب أن یرضی بقضاءہ﴾

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی کام کے بارے میں فیصلہ فرمادیتے ہیں کہ یہ کام اس طرح انجام دیا جانا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتے ہیں کہ میرا بندہ اس فیصلے پر راضی ہو۔ اور اس فیصلے کو بے چوں چرا تسلیم کرے۔ یہ نہ کہے کہ میں ہوتا تو اچھا تھا۔ فرض کریں کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جو طبیعت کو ناگوار ہے اور وہ غم اور تکلیف کا واقعہ ہے۔ اب

پیش آچکے کے بعد یہ کہنا کہ اگر یوں کر لیتے تو یہ واقعہ پیش نہ آتا۔ ایسا کہنے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ اس لئے کہ جو واقعہ پیش آیا وہ تو پیش آنا ہی تھا۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اور اس کی تقدیر تھی۔ تم اگر ہزار تدبیر بھی کر لیتے۔ تب بھی وہ فیصلہ ملنے والا نہیں تھا۔ لہذا اب فضول یہ باتیں کرنا کہ ایسا کر لیتے تو ایسا ہو جاتا۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کے مترافی ہیں۔ ایسی باتیں کرنا مؤمن کا کام نہیں۔

رضاء بالقضاء میں تسلی کا سامان ہے

حقیقت میں اگر غور کر کے دیکھا جائے تو انسان کے پاس (رضاء بالقضاء) تقدیر پر راضی ہونے کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے؟ اس لئے کہ تمہارے ناراض ہونے سے وہ فیصلہ بدل نہیں سکتا جو غم پیش آیا ہے، تمہاری ناراضگی سے وہ غم دور نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس ناراضگی سے غم کی شدت اور تکلیف میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور یہ کہے گا کہ ہائے ہم نے یہ نہ کر لیا۔ فلاں تدبیر اختیار نہ کر لی۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ رضاء بالقضاء میں درحقیقت انسان کی تسلی کا سامان ہے۔ اور ایک مؤمن کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو تسلی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

تقدیر ”تدبیر“ سے نہیں روکتی

اور یہ ”تقدیر“ عجیب و غریب عقیدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب ایمان کو عطا فرمایا ہے۔ اس عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ کسی واقعہ کے پیش آنے سے پہلے تقدیر کا عقیدہ کسی انسان کو بے عملی پر آمادہ نہ کرے۔ مثلاً ایک انسان تقدیر کا پہلا نہ کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور یہ کہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں کچھ نہیں کرتا۔ یہ عمل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے خلاف ہے۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ جس چیز کے حاصل کرنے کی جو تدبیر ہے۔ اس کو اختیار کرو۔ اس کے اختیار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔

تدبیر کے بعد فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو

دوسری بات یہ ہے کہ تقدیر کے عقیدے پر عمل کسی واقعہ کے پیش آنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی واقعہ پیش آچکا، تو ایک مومن کا کام یہ ہے کہ وہ یہ سوچے کہ میں نے جو تدبیریں اختیار کرنی تھیں وہ کر لیں اور اب جو واقعہ ہماری تدبیر کے خلاف پیش آیا، وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ لہذا واقعہ پیش آچکے نئے بعد اس پر بہت زیادہ پریشانی، بہت زیادہ حسرت اور تکلیف کا اظہار کرنا اور

یہ کہنا کہ فلاں تدبیر اختیار کر لیتا تو یوں ہو جاتا۔ یہ بات عقیدہ تقدیر کے خلاف ہے۔۔۔ ان دو آیتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ نے ہمیں رہنمائی یہ بتادی کہ جب تک تقدیر پیش نہیں آئی، اس وقت تک تمہارا فرض ہے کہ اپنی سی پوری کوشش کر لو۔ اور احتیاطی تدبیر بھی اختیار کر لو، اس لئے کہ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے؟

حضرت فاروق اعظمؓ کا ایک واقعہ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شام کے دورے پر تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں آپ کو اطلاع ملی کہ شام کے علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔۔۔ یہ اتنا سخت طاعون تھا کہ انسان بیٹھے بیٹھے چند گھنٹوں میں ختم ہو جاتا تھا۔ اس طاعون میں ہزار ہا صحابہ کرامؓ شہید ہوئے ہیں۔ آج بھی اردن میں حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مزار کے پاس پورا قبرستان ان صحابہ کرامؓ کی قبروں سے بھرا ہوا ہے جو اس طاعون میں شہید ہوئے۔۔۔ بہر حال، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ وہاں جائیں یا نہ جائیں اور واپس چلے جائیں۔ اس وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث سنائی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کسی علاقے میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑے تو جو لوگ اس علاقے سے باہر ہیں وہ

اس علاقے کے اندر داخل نہ ہوں، اور جو لوگ اس علاقے میں مقیم ہیں۔ وہ وہاں سے نہ بھاگیں۔۔۔۔۔ یہ حدیث سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس حدیث میں آپ کا صاف صاف ارشاد ہے کہ ایسے علاقے میں داخل نہیں ہونا چاہئے۔ لہذا آپ نے وہاں جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔۔۔۔۔ اس وقت ایک صحابی غالباً حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے، انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

﴿أفضل من قبل الله﴾

کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں؟ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے اس طاعون کے زریعہ موت کا آٹا لکھ دیا ہے تو وہ موت آکر رہے گی۔ اور اگر تقدیر میں موت نہیں لکھی تو جانا اور نہ جانا برابر ہے۔ جواب میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

﴿لو غيرك قالها يا أبا عبيده﴾

اے ابو عبیدہ! اگر آپ کے علاوہ کوئی شخص یہ بات کہتا تو میں اس کو معذور سمجھتا، لیکن آپ تو پوری حقیقت سے آگاہ ہیں آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ تقدیر سے بھاگ رہا ہوں۔ پھر فرمایا کہ:

﴿نعم قدر من قبل الله لى قدر الله﴾

”ہاں اہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف

بھاگ رہے ہیں۔“

مطلب یہ تھا کہ جب تک واقعہ پیش نہیں آیا، اس وقت تک ہمیں احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے۔ اور ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنا عقیدہ تقدیر کے خلاف نہیں، بلکہ عقیدہ تقدیر کے اندر داخل ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرو، چنانچہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے دائیں جا رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر تقدیر میں ہمارے لئے طاعون کی بیماری میں جھلا ہونا لکھا ہے تو اس کو ہم مٹا نہیں سکتے۔ لیکن اپنی ہی تدبیر ہمیں پوری کرنی

ہے۔

”تقدیر“ کا صحیح مفہوم

یہ ہے ایک مومن کا عقیدہ کہ اپنی طرف سے تدبیر پوری کی، لیکن تدبیر کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا اور یہ کہہ دیا کہ یا اللہ، ہمارے ہاتھ میں جو تدبیر تھی وہ تو ہم نے اختیار کر لی۔ اب معاملہ آپ کے اختیار میں ہے، آپ کا جو فیصلہ ہوگا۔ ہم اس پر راضی رہیں گے۔ ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لہذا واقعہ کے پیش آنے سے پہلے عقیدہ تقدیر کسی کو بے عملی پر آمادہ نہ کرے۔ جیسے بعض لوگ عقیدہ تقدیر کو بے عملی کا پرہانہ بنا لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔ لہذا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں۔

کام کیوں کریں؟ یہ درست نہیں، کیونکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اپنی تدبیر کرتے رہو۔ ہاتھ پاؤں ہلاتے رہو۔ لیکن ساری تدابیر اختیار کرنے کے بعد اگر واقعہ اپنی مرضی کے خلاف پیش آجائے تو اس پر راضی رہو لیکن اگر تم اپنی رضامندی کا اظہار نہ کرو، بلکہ یہ کہہ دو کہ یہ فیصلہ تو بہت غلط ہوا، بہت بُرا ہوا تو اس کا نتیجہ سوائے پریشانی میں اضافے کے کچھ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جو واقعہ پیش آچکا ہے۔ وہ بدل نہیں سکتا، اور آخر کار ہمیں سر تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا۔ اس لئے پہلے دن ہی اس کو تسلیم کر لیتا چاہئے کہ جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ہم اس پر راضی ہیں۔

غم اور صدمہ کرنا ”رضابالتصناء“ کے منافی نہیں

اب ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے۔ وہ یہ کہ جیسا کہ میں پہلے عرض کیا تھا کہ اگر کوئی تکلیف وہ واقعہ پیش آئے، یا کوئی غم یا صدمہ پیش آئے تو اس غم اور تکلیف پر رونا صبر کے منافی اور خلاف نہیں۔ اور گناہ نہیں۔۔۔۔۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک طرف تو آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ غم اور صدمہ کرنا اور اس کا اظہار کرنا جائز ہے۔ رونا بھی جائز ہے۔ اور دوسری طرف آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے۔ یہ دونوں چیزیں کیسے جمع کریں کہ ایک طرف فیصلے پر راضی بھی ہوں اور دوسری طرف غم اور صدمہ کا اظہار بھی کرنا جائز ہو؟ خوب سمجھ لیتا چاہئے کہ غم اور صدمہ کا اظہار الگ چیز ہے۔ اور اللہ

کے فیصلے پر راضی ہونا الگ چیز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ عین حکمت پر مبنی ہے، اور ہمیں اس کی حکمت معلوم نہیں، اور حکمت معلوم نہ ہونے کی وجہ سے دل کو تکلیف پہنچ رہی ہے۔ اس لئے غم اور صدمہ بھی ہے اور اس غم اور صدمہ کی وجہ سے ہم رو بھی رہے ہیں۔ اور آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ برحق ہے۔ حکمت پر مبنی ہے۔ لہذا "رضا" سے مراد رضاء عقلی ہے۔ یعنی عقلی طور پر انسان یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ صحیح ہے۔

ایک بہترین مثال

مثلاً ایک مریض ڈاکٹر سے آپریشن کرانے کے لئے ہسپتال جاتا ہے، اور ڈاکٹر سے درخواست کرتا ہے، اور اس کی خواہش کرتا ہے کہ میرا آپریشن کر دو۔ جب ڈاکٹر نے آپریشن شروع کیا تو اب یہ زور رہا ہے۔ چیخ رہا ہے۔ ہائے ہائے کر رہا ہے۔ اور اس تکلیف کی وجہ سے اس کو رنج اور صدمہ بھی ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ڈاکٹر آپریشن کی نہیں بھی دیتا ہے اور اس کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ عقلی طور پر جانتا ہے کہ جو کچھ ڈاکٹر کر رہا ہے، وہ ٹھیک کر رہا ہے، اور میرے فائدے کے لئے کر رہا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک مؤمن کو اس دنیا میں جتنی تکلیفیں اور جتنے صدمے پہنچتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی

لئے کہ اس سودے یا اس عہدے کے نتیجے میں یہ گناہ میں مبتلا ہو گا۔ اور اس کے نتیجے میں مجھے اس کو جہنم میں رکھنا پڑے گا۔ اس لئے یہ منصب یہ سودا اس سے دور کر دیا جائے، چنانچہ عین اس وقت جب کہ وہ سودا ہونے والا تھا۔ یا وہ عہدہ ملنے ہی والا تھا کہ اچانک کوئی رکاوٹ کھڑی ہو گئی۔ اور وہ سودا نہیں ہوا۔ یا وہ عہدہ نہیں ملا۔ اب یہ شخص رو رہا ہے اور یہ شکایت کر رہا ہے کہ فلاں شخص نے بیچ میں آکر میرا کام بگاڑ دیا۔ اور اب اس بگاڑ کو دوسروں کی طرف منسوب کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کو یہ معلوم نہیں کہ جو کچھ کیا وہ اس کے خالق اور مالک نے کیا ہے۔ اور اس کے کاندے کے لئے کیا، کیونکہ اگر یہ عہدہ مل جاتا تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوتا۔۔۔۔۔ یہ ہے تقدیر اور اللہ کا فیصلہ جس پر عقلی طور پر انسان کو راضی رہنا چاہئے۔

تقدیر کے عقیدے پر ایمان لاکھٹے ہو

عقیدہ کے اعتبار سے تو ہر مومن کا تقدیر پر ایمان ہوتا ہے۔ جب ایک بندہ ایمان لاتا ہے تو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے کے ساتھ وہ تقدیر پر بھی ایمان لاتا ہے:

﴿آمنت بالله وما لا نکته وکتابہ ورسولہ والیوم

الآخر والآخر غیرہ وشرہ من اللہ تعالیٰ﴾

لیکن اس ایمان کا اثر عموماً اس کی زندگی پر ظاہر نہیں ہوتا اور اس

عقیدے کا استحضار نہیں رہتا۔ اور اس کی طرف دھیان نہیں رہتا۔ جس کی وجہ سے وہ دنیا میں پریشان ہو تا رہتا ہے، اس لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب تم اس عقیدے پر ایمان لے آئے تو اس عقیدے کو اپنی زندگی کا جہنم بناؤ، اور اس عقیدے کا دھیان پیدا کرو، اور اس کو یاد رکھو، اور جو بھی واقعہ پیش آئے اس وقت اس کو تازہ کرو کہ میں اللہ کی تقدیر پر ایمان لیا تھا، اسلئے مجھے اس پر راضی رہنا چاہئے۔ یہی فرق ہے ایک عام آدمی میں اور اس شخص میں جس نے صوفیاء کرام کی ذریعہ تربیت اس عقیدے کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کی ہو۔

لہذا اس عقیدے کو اس طرح حال بنائیں کہ جب کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تو اس وقت ”اللہ وانا الیہ راجعون“ پڑھے۔ اور ساتھ میں اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، آگے ہمیں اس کے اندر جوں و چرا کرنے کی گنجائش نہیں۔ اس کی مشق کرنی پڑتی ہے۔ تب جا کر یہ عقیدہ حل بن جاتا ہے۔ اور جب یہ حل بن جاتا ہے تو پھر ایسے شخص کو دنیا میں کبھی پریشانی نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس عقیدے کو ہم سب کا حل بنا دے۔ آمین

یہ پریشانی کیوں ہے؟

دیکھئے، صدمہ اور غم اور جھجہ ہے یہ تو ہر شخص کو پیش آتی ہیں۔ لیکن ایک ہے پریشانی، وہ ہے کہ آدمی اس غم اور صدمہ کی وجہ سے بے تک

اور بے یقین ہے۔ کسی کروت یقین نہیں آ رہا ہے یہ پریشانی کیوں ہے؟
 اس لئے کہ وہ شخص اس فیصلے پر عقلی طور پر راضی نہیں ہے۔ ظاہر ہے
 کہ ایسے آدمی کو یقین اور سکون کیسے میسر آئے؟ — اور جس
 شخص کا اس بہت پر ایمان ہے کہ میرے اختیار میں جو کچھ تھا وہ میں نے
 کر لیا۔ اب آگے میرے اختیار سے باہر تھا۔ اس لئے میں کچھ نہیں
 کر سکتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ برحق ہے، ایسے شخص کو
 کبھی پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ غم اور صدمہ ضرور ہوگا۔ لیکن پریشانی
 نہیں ہوگی۔

آب زر سے لکھنے کے قابل جملہ

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا
 انتقال ہوا تو مجھے اس پر بہت شدید صدمہ ہوا، زندگی میں اتنا بڑا
 صدمہ کبھی پیش نہیں آیا تھا، اور یہ صدمہ بے چینی کی حد تک پہنچا ہوا
 تھا، کسی کروت کسی حال قرار نہیں آ رہا تھا اور اس صدمہ پر رونے بھی
 نہیں آ رہا تھا۔ اس لئے کہ بعض اوقات رونے سے دل کی بھراس نکل
 جاتی ہے۔ — اس وقت میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی
 صاحب قدس اللہ سرہ کو اپنی یہ کیفیت لکھی تو انہوں نے جواب میں
 صرف ایک جملہ لکھ دیا اور الحمد للہ آج تک وہ جملہ دل پر نقش ہے اور
 اس ایک جملہ نے اتنا فائدہ پہنچایا کہ میں بیان نہیں کر سکتا، وہ جملہ یہ تھا:

”صدمہ تو اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن غیر اختیاری امور پر اتنی زیادہ پریشانی قابل اصلاح ہے۔“

یعنی صدمہ تو اپنی جگہ ہے، وہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ عظیم باپ سے جدائی ہو گئی۔ لیکن یہ ایک غیر اختیاری واقعہ پیش آیا، اس لئے تم یہ نہیں کر سکتے تھے کہ موت کے وقت کو ٹلا دیتے۔ اب اس غیر اختیاری واقعے پر اتنی پریشانی قابل اصلاح ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ رہنا بالقضاء کا جو حکم ہے۔ اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور اس پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے پریشانی ہو رہی ہے۔ — یقین جانئے اس ایک جملے کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے سینے پر برف رکھ دی۔ اور میری آنکھیں کھول دیں۔

”لوح دل پر یہ ”جملہ“ نقش کر لیں

ایک اور موقع پر اپنے دو مرنے شیخ حضرت مولانا سید محمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خط میں لکھا کہ حضرت اقلان بات کی وجہ سے سخت پریشانی ہے۔ جو اب میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ لکھا کہ:

”جس شخص کا اللہ جل جلالہ سے تعلق ہو، اس کا پریشانی سے کیا تعلق؟“

یعنی پریشانی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو تو پھر پریشانی آنے کی مجال نہیں۔۔۔۔۔ اس لئے کہ جو صدمہ اور غم ہو رہا ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے کہو یا اللہ اس کو دور فرماویں اور پھر اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائیں اس پر راضی رہو۔ لیکن پریشانی کس بات کی؟ لہذا اگر رضا بقضاء حاصل بن جائے اور جسم و جان کے اندر داخل ہو جائے تو پھر پریشانی کا گزر نہیں ہو سکتا۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کے راحت و سکون کا راز

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے جا کر پوچھا کہ حضرت کیا حال ہے؟ فرمایا: بڑے مزے میں ہوں۔ اور اس شخص کے مزے کا کیا پوچھتے ہو کہ اس کائنات میں کوئی واقعہ اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ جو واقعہ بھی پیش آتا ہے وہ اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ لہذا دنیا کے سارے کام میری مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔ سوال کرنے والے نے کہا کہ حضرت! یہ بات تو انبیاء علیہم السلام کو بھی حاصل نہیں ہوئی کہ دنیا کے تمام کام ان کی مرضی کے مطابق ہو جائیں۔ آپ کو یہ کیسے حاصل ہوئی؟ جواب میں فرمایا کہ میں نے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیا ہے۔ جو اللہ کی مرضی، وہ میری مرضی، اور دنیا کے سارے کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے

ہوتے ہیں۔ اور میری بھی وہی مرضی ہے۔ اور جب سارے کام میری مرضی سے ہو رہے ہیں تو میرے مزے کا کیا پوچھنا۔ پریشانی تو میرے پاس بھی نہیں بھگتی، پریشانی تو اس شخص کو ہو جس کی مرضی کے خلاف کام ہوتے ہوں۔

تکالیف بھی حقیقت میں رحمت ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو رضا بالتصاؤ کی دولت عطا فرما دیتے ہیں۔ ان کے پاس پریشانی کا گزر نہیں ہوتا۔ ان کو صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ غم اور تکالیف ان کے پاس ضرور آتی ہے۔ لیکن پریشانی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ غم یا صدمہ آرہا ہے، وہ میرے مالک کی طرف سے آرہا ہے۔ اور میرے مالک کی حکمت کے مطابق آرہا ہے، اور میرے مالک کی تقدیر کے مطابق میرا فائدہ بھی اسی میں ہے۔ حتیٰ کہ بعض بزرگوں نے پہلا تک کہہ دیا کہ۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک حیفت
سر دوستی سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یعنی یہ بات تمہارے دشمن کو نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہو، دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو اس پر اپنا خنجر آزمائے۔ یعنی یہ جو تکلیفیں پہنچ رہی ہیں۔ یہ بھی ان کی رحمت کا عنوان

ہے۔ اور جب ان کی رحمت کا عنوان ہے تو دوسروں کو کیوں پہنچیں، یہ
بھی ہمیں پہنچیں۔

ایک مثال

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ
اس کی ایک مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ کا محبوب
ہے۔ اس سے آپ کو اتنا درجہ کی محبت ہے اور اس محبوب کے دور
ہولے کی وجہ سے بہت عرصہ سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اچانک
وہ محبوب آپ کے پاس آتا ہے، اور چپکے سے آکر آپ کو پیچھے سے پکڑ کر
زور سے دبا لیتا ہے۔ اور اتنی زور سے دبا رہا ہے کہ پسلیں ٹوٹنے کے
قرب ہونے لگتی ہیں، اور آپ کو تکلیف ہوتی ہے جس کے نتیجے میں
آپ چیختے اور چلاتے ہیں اور اپنے کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور
پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو؟ وہ جواب میں کہتا ہے کہ میں تمہارا غلام
محبوب ہوں۔ اگر تمہیں مزایہ دہانا پسند نہیں ہے تو میں تمہیں چھوڑ دیتا
ہوں اور تمہارے رقیب کو دبا لیتا ہوں۔ اگر تم عاشق صادق ہو تو کیا
جواب دو گے کہ میرے رقیب کو مت دباؤ۔ بلکہ مجھے ہی دباؤ اور زور سے
دباؤ۔ اور یہ شعر پڑھو گے کہ ۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک ہیبت
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں یہ ادراک عطا فرماوے کہ یہ تکلیفیں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عنوان ہیں۔ لیکن ہم چونکہ کمزور ہیں۔ اس لئے ہم ان تکالیف کو مانگتے نہیں، لیکن جب وہ تکلیف آگئی تو ان کی حکمت اور فیصلے سے آگے ہے، اس لئے وہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔

تکلیف مت مانگو، لیکن آئے تو صبر کرو

ہمارے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ ہم ان تکالیف کو مانگیں، لیکن جن کو ان تکالیف کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے وہ بعض اوقات مانگ بھی لیتے ہیں، چنانچہ بعض صوفیاء کرام سے مانگنا متقول ہے، خاص کر وہ تکلیف جو دین کے راستے میں پہنچے اس کو تو عاشقانہ صلوات لے ہزار ہا تکالیف پر مقدم اور افضل قرار دیا۔ اس کے بارے میں یہ شعر کہا کہ۔

جرم عشق تو کھد عجب غوغا نیست

تو غیر بر سر جام اکہ خوش تماشا نیست

یعنی تیرے عشق کے جرم میں لوگ مجھے مار رہے ہیں، اور گھسیٹ رہے ہیں۔ اور ایک شور برپا ہے، اگر دیکھ کہ تلمشے کا کیسا شانہ ار منظر ہے۔۔۔۔۔ یہ تو بڑے لوگوں کی بات ہے لیکن ہم لوگ چونکہ کمزور ہیں۔ طاقت اور قوت اور صلاحیت نہیں ہے۔ اس لئے ان تکالیف کو اللہ تعالیٰ سے مانگتے نہیں ہیں۔ بلکہ عاقبت مانگتے ہیں کہ یا اللہ عاقبت عطا

تربا پیچے، اور جب تکلیف آجاتی ہے تو اس کے ازالے کی بھی دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ تکلیف اگرچہ آپ کی نعمت ہے، لیکن ہماری کمزوری پر نظر کرتے ہوئے اس نعمت کو عافیت کی نعمت سے بدل دیجئے لیکن پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔ اس کا نام ”رضاہا القضاء“ ہے۔ تقدیر پر ایمان تو سب کا ہوتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا تھا وہ ہو گیا۔ لیکن اس عقیدے کو اپنی زندگی کا حال بنانا چاہئے۔ ”حال“ بنانے کے بعد انشاء اللہ پریشانی پاس نہیں سکتے گی۔

اللہ والوں کا حال

چنانچہ آپ نے اللہ والوں کو دیکھا ہو گا کہ ان کو آپ کبھی بے سبب اور بے چین اور پریشان نہیں پائیں گے۔ ان کے ساتھ کیسا ہی بڑے سے بڑا ناگوار واقعہ پیش آجائے۔ اس پر ان کو غم تو ہو گا۔ لیکن بے سبب اور بے چینی اور پریشانی ان کے پاس بھی نہیں پھینکی۔ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔ اس پر راضی رہنا ضروری ہے۔ لہذا انسان کی زندگی میں جب بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ خیال کرتے ہوئے اس پر راضی رہنے کی فکر کرے۔ غم، صدمہ اور پریشانی کا یہی علاج ہے۔ اور ایسا کرنے سے اس کو اعلیٰ درجہ کا صبر حاصل ہو جائے گا اور صبرہ اعلیٰ عبادت ہے جو ساری عبادتوں سے بڑھ کر ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا:

﴿انما یوفی الصبرون اجرهم بغیر حساب﴾
 یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر
 عطا فرمائیں گے۔

کوئی شخص تکلیف سے خالی نہیں

ہر تکلیف کے موقع پر یہ سوچنا چاہئے کہ اس کائنات میں کوئی ایسا
 شخص ہو نہیں سکتا جس کو اپنی زندگی میں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی ہو۔
 چاہتے وہ بڑے سے بڑا پادشاہ ہو، بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور دولت مند
 ہو، بڑے سے بڑا صاحب منصب ہو، بڑے سے بڑا نیک، ولی اللہ ہو،
 بڑے سے بڑا نبی ہو۔ لہذا تکلیف تو ہمیں ضرور پہنچے گی۔ تم چاہو تو بھی
 پہنچے گی اور نہ چاہو تو بھی پہنچے گی۔ اس لئے کہ یہ دنیا ایسی جگہ ہے جہاں
 راحت بھی ہے، غم بھی ہے، خوشی ہے، پریشانی بھی ہے۔ خالص راحت
 بھی کسی کو حاصل نہیں۔ خالص غم بھی کسی کو میسر نہیں۔ یہ طے شدہ
 بات ہے۔ حتیٰ کہ خدا کا انکار کرنے والوں نے خدا کے وجود کا انکار
 کر دیا۔ (العیاذ باللہ) لیکن اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ اس دنیا میں
 کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ جب یہ بات طے شدہ ہے کہ تکلیف
 پہنچی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کون سی تکلیف پہنچے اور کون سی
 تکلیف نہ پہنچے۔ اس کا ایک راستہ تو یہ ہے کہ تم خود فیصلہ کر لو کہ مجھے
 فلاں تکلیف پہنچے اور فلاں تکلیف نہ پہنچے۔ کیا تمہارے اندر اس بات

کی طاقت ہے کہ تم یہ فیصلہ کرو کہ فلاں تکلیف میرے حق میں بہتر ہے اور فلاں تکلیف بہتر نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ تم نہیں جانتے کہ کون سی تکلیف کا انجام میرے حق میں بہتر ہو گا اور کون سی تکلیف کا انجام بہتر نہیں ہو گا۔ لہذا اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دو، اور یہ کہہ دو کہ یا اللہ! آپ اپنے فیصلے کے مطابق ہو۔ تکلیف دینا چاہیں وہ دے دیجئے اور پھر اس کو برداشت کرنے کی طاقت بھی دے دیجئے اور اس پر صبر بھی عطا فرمائیے۔

چھوٹی تکلیف بڑی تکلیف کو ٹال دیتی ہے

انسان بے چارہ اپنی عقل کے دائرے میں محدود ہے، اس کو یہ پتہ نہیں کہ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے اس نے مجھے کسی بڑی تکلیف سے بچایا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو بتاد آگیا، تو اب اس کو بخار کی تکلیف نظر آرہی ہے، یا کوئی شخص کسی ملازمت کے لئے کوشش کر رہا تھا، لیکن وہ ملازمت اس کو نہیں ملی۔ اس کو یہ تکلیف نظر آرہی ہے۔ یا گھر میں سلمن کی چوری ہو گئی۔ اس کو یہ تکلیف نظر آرہی ہے۔ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ اگر یہ تکلیف نہ پہنچی تو دوسری کون سی تکلیف پہنچتی؟ اور وہ تکلیف بڑی تھی یا یہ تکلیف بڑی ہے؟ چونکہ اس کو اس کا علم نہیں ہے۔ اس لئے جو تکلیف اس کو پہنچی ہے تو اس کو بے کریشہ جانا ہے۔ اور اس کا ذکر اور چرچا کرتا رہتا ہے کہ ہائے مجھے یہ تکلیف پہنچ

گئی۔ بلکہ اس موقع پر انسان یہ سوچے کہ اچھا ہوا کہ اس چھوٹی سی تکلیف پر بات ٹل گئی۔ ورنہ خدا جانے کتنی بڑی مصیبت آتی۔ کیا بلا نازل ہوتی۔ یہ سوچنے سے انسان کو تسلی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو دکھا بھی دیتے ہیں کہ جس مصیبت کو تم بڑی تکلیف سمجھ رہے تھے۔ دیکھو وہ کیسی رحمت ثابت ہوئی۔

اللہ سے مدد مانگو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری تسلی کے لئے یہ دعا بھی تلقین فرمادی کہ:

﴿لَا مَلْجَأَ وَلَا مُنْجَأَ مِنْ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ﴾

اللہ تعالیٰ سے بچاؤ کا سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ اسی کی آغوش رحمت میں پناہ لو۔ یعنی اس کے فیصلے پر راضی رہو۔ اور پھر اسی سے مدد مانگو، یا اللہ، اس کو دور فرما دیجئے، اسی بات کو مولانا ردی برحمت اللہ علیہ ایک مثال کے ذریعہ سمجھاتے ہیں کہ ایک تیر انداز تصور کرو، جس کے پاس اتنی بڑی تیر کمان ہے جس نے ساری کائنات کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ اور اس کمان کے ہر ہر حصے میں تیر لگے ہوئے ہیں، اور دنیا میں کوئی جگہ ایسی محفوظ نہیں ہے۔ جس جگہ پر وہ تیر نہ پہنچ سکتے ہوں۔ پوری دنیا کا چپ چاپ اس کی زد میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے تیر

انداز کے تیروں سے نیچے کی کیا صورت ہے؟ کون سی جگہ ایسی ہے جہاں پر جا کر ان تیروں سے بچا جاسکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تم تیروں سے بچنا چاہتے ہو تو اس تیز انداز کے پہلو میں جا کر کھڑے ہو جاؤ، اس کے علاوہ کوئی اور جگہ بچاؤ کی نہیں ہے۔ اسی طرح یہ مصائب یہ حوادث ملتے ہیں پریشانیوں اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے فیصلوں کے تیروں۔ ان تیروں سے اگر بچاؤ کی کوئی جگہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کے دامن رحمت میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ، ناقابلِ برداشت تکلیف مت دیجئے اور جب تکلیف دین تو اس پر صبر بھی عطا فرمائیں اور اس کو میری مغفرت اور ترقی و درجات کا ذریعہ بناجئے۔ آمین۔

ایک نادان بچے سے سبق لیں

آپ نے چھوٹے بچے کو دیکھا ہوگا کہ جب ماں اس کو مارتی ہے۔ اس وقت بھی وہ ماں ہی کی گود میں اور زیادہ گھستتا ہے، حلا تک جانتا ہے کہ میری ماں مجھے مار رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بچہ یہ بھی جانتا ہے کہ میں پائی تو کر رہی ہے لیکن اس پائی کا علاج بھی اسی کے پاس ہے اور مجھے شفقت اور محبت بھی اسی کی آغوش میں مل سکتی ہے۔ لہذا جب بھی کوئی ناگوار بات یا واقعہ پیش آجائے تو یہ سوچو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اور اسی کی آغوش رحمت میں مجھے پناہ مل سکتی ہے، یہ

سوچ کر پھر اسی سے اس کے ازالے کی اور اس پر صبر کی دعا کریں۔ یہ ہے "رضا بالتقضاء" اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو عطا فرمائیں۔ آمین۔

اللہ کے فیصلے پر رضامندی خیر کی دلیل ہے

ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

﴿إِذَا ارَادَ اللَّهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا رَضَاهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَبَارَكَ لَهُ فِيهِ، وَإِذَا لَمْ يَرْضَهُ خَيْرًا لَمْ يَرْضَهُ بِمَا قَسَمَ لَهُ وَلَمْ يَبَارَكَ لَهُ فِيهِ﴾

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی اور خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اپنی قسمت پر راضی کر دیتے ہیں، اور اس قسمت میں اس کے لئے برکت بھی عطا فرماتے ہیں، اور جب کسی سے بھلائی کا ارادہ نہ فرمائیں (العیاذ باللہ) تو اس کو اس کی قسمت پر راضی نہیں کرتے۔ یعنی اس کے دل میں قسمت پر اطمینان اور رضامندی نہیں ہوتی۔ اور اس کے نتیجے میں یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ حاصل ہے۔ اس میں بھی برکت نہیں ہوتی۔ اس حدیث کے ذریعہ یہ بتایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو قسمت پر راضی کر دیتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ پھر یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کو تھوڑا ملا ہو، لیکن اس

تھوڑے میں ہی اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمادیتے ہیں۔

برکت کا مطلب اور مفہوم

آج کی دنیا گنتی کی دنیا ہے اور ہر چیز کی گنتی مچی جاتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مجھے ایک ہزار روپے ملتے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ مجھے دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ تیسرا کہتا ہے کہ مجھے دس ہزار روپے ملتے ہیں۔ لیکن کوئی شخص یہ نہیں دیکھتا کہ اس گنتی کے نتیجے میں مجھے کتنی راحت ملی؟ کتنا آرام ملا؟ کتنی عافیت حاصل ہوئی؟ اب مثلاً ایک شخص کو پچاس ہزار روپے مل گئے۔ لیکن گھر کے اندر پریشانیوں، بیماریاں ہیں اور سکون حاصل نہیں ہے اور ہر وقت پریشانی کے اندر مبتلا ہے۔ اب بتائیے وہ پچاس ہزار کس کام کے؟ اس سے پتہ چلا کہ وہ پچاس ہزار روپے برکت والے نہیں تھے۔ بے برکتی والے ہیں۔ ایک دوسرا شخص ہے جس کو ایک ہزار روپے ملے۔ لیکن اس کو راحت اور آرام اور عافیت میسر ہے۔ تو اگرچہ وہ گنتی میں ایک ہزار ہیں۔ لیکن اپنے حاصل اور نفع کے اعتبار سے یہ ایک ہزار والا پچاس ہزار والے سے آگے بڑھ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار برکت والے تھے اور اس ایک ہزار سے بے شمار کام اور فائدے حاصل ہو گئے۔

ایک نواب کا واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے مواظظ میں لکھا ہے کہ لکھنؤ میں ایک نواب تھے۔ ان کی بڑی زمینیں، جائیدادیں، نوکر چاکر وغیرہ سب کچھ تھا۔ ایک مرتبہ میری ان سے ملاقات ہوئی تو ان نواب صاحب نے خود مجھے بتایا کہ ”میں اپنے بارے میں آپ کو کیا بتاؤں کہ میرے پاس یہ ساری دولتیں ہیں۔ جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ لیکن مجھے ایک ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہے کہ اس کی وجہ سے کوئی چیز نہیں کھا سکتا۔ اور میرے معالج نے میرے لئے صرف ایک غذا تجویز کی ہے۔ وہ یہ کہ گوشت کا قیہہ بناؤ، اور اس قیہہ کو ایک کپڑے میں باندھ کر اس کا رس نکالو اور اس کو چھپے کے ذریعہ پیو۔“

اب دیکھئے، دسترخوان پر دنیا بھر کے انواع و اقسام کے کھانے چنے ہوئے ہیں، ہزار قسم کی نعمتیں حاصل ہیں لیکن صاحب بہادر نہیں کھا سکتے۔ اس لئے کہ بیمار ہیں۔ ڈاکٹر نے منع کر دیا ہے۔ بتاؤ، وہ دولت کس کام کی جس کو انسان اپنی مرضی سے استعمال نہ کر سکے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت میں برکت نہیں ڈالی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ نعمت بیکار ہو گئی۔ ایک دوسرا آدمی ہے جو نعمت مزدوری کرتا ہے، ساگ روٹی کھاتا ہے، لیکن بھرپور بھوک کے ساتھ اور پوری لذت کے ساتھ کھاتا ہے، اور وہ کھانا اس کے جسم کو جاگر لگتا

ہے۔ اب بتائیے یہ مزدور بہتر ہے یا وہ نواب بہتر ہے؟ حالانکہ کتنی اس کی زیادہ ہے، اور اس مزدور کی کتنی کم ہے۔ لیکن راحت اس مزدور کو نصیب ہے۔ اس نواب کو میسر نہیں۔ اس کا نام ہے برکت۔

قسمت پر راضی رہو

بہر حال، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا جو بندہ قسمت پر راضی ہو جائے اور قسمت پر راضی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تدبیر چھوڑ دے، اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ کام کرنا ہے۔ لیکن ساتھ میں اس پر راضی ہو کہ اس کام کرنے کے نتیجے میں جو کچھ مجھے مل رہا ہے۔ وہ میرے لئے بہتر ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اسی میں برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ اسی کو راحت کا سبب بنا دیتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص قسمت پر راضی نہ ہو، بلکہ ہر وقت ناشکری کرتا رہے اور یہ کہتا رہے کہ مجھے تو ملنا ہی کیا ہے۔ میں تو محروم رہ گیا۔ میں تو پیچھے رہ گیا۔ تو اس کا نتیجہ پھر یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ تھوڑا بہت ملا ہوا ہے۔ اس کی لذت سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور اس میں برکت نہیں ہوتی۔ انجام تو وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ چاہیں گے۔ اور اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں گے، تمہارے رونے سے۔ ناشکری کرنے سے تمہاری حالت نہیں بدل جائے گی۔ لیکن اس ناشکری سے نقصان یہ ہو گا کہ موجودہ نعمت سے جو نفع حاصل ہو سکتا تھا وہ بھی حاصل نہ ہو۔

میرے پیانے میں لیکن حاصل میخانہ ہے

اس لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر راضی رہو، چاہے وہ مال و دولت کی نعمت ہو، پیسے کی نعمت ہو، صحت کی نعمت ہو۔ حسن و جمال کی نعمت ہو۔ دنیا کی ہر دولت اور نعمت پر راضی رہو اور یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت جس مقدار میں مجھے عطا فرمائی ہے وہ میرے حق میں بہتر ہے۔ ہمارے حضرت ذاکر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا۔

مجھ کو اس سے کیا فرض کس جام میں ہے کتنی سے
میرے پیانے میں لیکن حاصل میخانہ ہے

یعنی دو غروں کے پیالوں میں کتنی سے بھری ہے، مجھے اس سے کیا تعلق، لیکن میرے پیانے میں جو ہے، وہ میرے لئے کافی ہے۔ لہذا مجھے اس سے کیا فرض کہ کسی کو ہزار مل گئے۔ کسی کو لاکھ ملے، کوئی کروڑ جمی بن گیا، لیکن جو کچھ مجھے ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ میں اسی میں گمن ہوں، اور اس پر خوش ہوں۔۔۔۔۔ بس یہ فکر حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی فکر سے قناعت حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے رضا و القینا حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے تکلیفیں اور صد سے دور ہوتے ہیں۔ لہذا تعالیٰ اپنے فضل سے یہ فکر عطا فرمادے اور اس کو ہمارا حال

بتادے۔ آمین

﴿وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين﴾

